State Administration in Islamic Thought and Its Application in the Present Era

Syed Abdul Ghaffar Bukhari ۞
Munazza Sultana ۞

ABSTRACT

Without adhering to a strict sense of management and administration, no state can be run. This article aims to highlight the basic principles of state administration in the light of Islamic thought. Islam lays great stress on principles of social relations, administration of social affairs, and important issues related to politics and government, which play a pivotal role in the well-being of humans. The article has four parts. The first part includes introduction and importance of state administration. The second part discusses views of various Muslim thinkers on the subject. The third part highlights certain aspects of selection and training of employees in the light of

۞ Associate Professor, Department of Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad. (sagbukhari@numl.edu.pk)
۞ Assistant Professor, Department of Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad. (munazza_aiou@yahoo.com)

Islamic thought. The last part elaborates upon the application of the Islamic principles of administration and management in the present era.

فکر اسلامی میں ریاستی نظم و نسق اور اس کی معاصر تطبیق

سید عبد الغفار بخاری ۞
منزہ سلطانہ ۞

۱- مقدمہ

۱.۱- موضوع کا تعارف اور اہمیت

مقالہ ہذا "فکر اسلامی میں ریاستی نظم و نسق اور اس کی معاصر تطبیق" کے بارے میں ہے۔ ریاست مقصود بالذات نہیں بلکہ اسے شہریوں کے ترقی، خوش حالی اور فلاح کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔ ہر ریاست کے کچھ وظائف اور ذمے داریاں ہوتی ہیں جنھیں وہ اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے انجام دیتی ہے۔ انھی ذمے داریوں میں سے ایک بنیادی اور اہم ذمے داری یہ ہے کہ وہ اپنے ماتحت اور ملازمین کو حکومتی امور میں نظم و ضبط کا پابند بنائے۔ سربراہ ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ نظم و نسق کو ریاست کے اعلی سطح سے لے کر نچلی سطح تک تمام ذمے داران کے تمام امور میں یقینی بنائے۔ کوئی بھی ریاست اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات اور اپنے دائرہ کار میں آنے والے محکموں کے مابین نظم و نسق کا توازن قائم کر کے اپنے مقاصد حاصل کر سکتی ہے؛ کیوں کہ جب حکومتی امور منظم و مرتب ہوں تو وہ حکومت کام یاب ٹھہرتی ہے۔ لہٰذا حکم ران اور اس کے ماتحت عہدے داران کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو اور اس کے حکومتی معاملات نظم و نسق کے آئینہ دار ہونے چاہییں۔ اسلام اپنے متبعین کو زندگی کے ہر شعبے میں نظم و نسق سکھاتا ہے۔ جس کی اعلیٰ ترین مثال آں حضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں پنہاں ہے۔ جسے آپ ﷺ کی ریاست مدینہ کے نظم و نسق میں بہ خوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

۱.۲- اسلوبِ تحقیق

مقالہ ہذا کا اسلوبِ تحقیق بیانیہ اور تجزیاتی ہے جس کے لیے موضوع کے متعلق مطبوعہ و غیر مطبوعہ مواد

۞ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
(sagbukhari@numl.edu.pk)
۞ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
(munazza_aiou@yahoo.com)

اور دورِ جدید کی سہولیات (مثلاً انٹرنیٹ) سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مواد کی جمع آوری کے بعد مواد کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

۱.۳- سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

اس موضوع پر مقالہ نگار کی نظر سے اہل علم کی جو تحریریں گزری ہیں، ان میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں:

1- *Islamic Principles of Administration: Implications on Practices in Organization* by Mohamad Johdi Salleh & Nazifah Alwani Mohamad, International Islamic University Malaysia (IIUM), Technology, Science, Social Sciences and Humanities International Conference –TeSSHI 2012 Organizer: Universiti Teknologi MARA Kedah. 14 & 15 November 2012.

۲- "ادب سیاسۃ الملوک کا منہج اور سیاسۃ الشرعیۃ میں اس کی حیثیت: ایک تحقیق جائزہ" از ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، **معارف اسلامی**، جلد۶، شمارہ۲، جولائی ۲۰۱۷ء۔

۳- "انتداب الموظفين في النظام الإسلامي"، از ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، **الوعي الإسلامي**، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، کویت، العدد ۳۹۶، نومبر- دسمبر ۱۹۹۸ء۔

۴- "تدريب الموظفين والتزاماتهم في النظام الإسلامي"، از ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، **الدراسات الإسلامية**، جلد ۳۵، شمارہ ۲، ۲۰۰۰ء۔

۱.۴- خاکۂ تحقیق

اس تحقیقی مقالے کو مقدمے اور چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

مقدمے میں موضوع کا تعارف، اہمیت، طریقۂ تحقیق، سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ اور خاکۂ تحقیق کو شامل کیا گیا ہے۔

فصل اوّل: ریاستی نظم ونسق کا تعارف، اہمیت اور بنیادیں

اس فصل کو تین مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے:

مبحث اوّل : ریاست، نظم ونسق کا مفہوم اور اہمیت

مبحث ثانی : اسلامی ریاست کا نظم مملکت

مبحث ثالث : اسلامی ریاست کی دستوری و عملی بنیادیں

فصل ثانی: ریاستی نظم ونسق اور مفکرین کی آرا

اس فصل کو دو مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مبحث اوّل : ریاستی نظم ونسق اور قدیم مسلم مفکرین کی آرا

مبحث ثانی : ریاستی نظم ونسق اور معاصر مفکرین کی آرا

فصل ثالث: فکر اسلامی میں ریاستی ملازمین کے انتخاب، تربیت اور کارکردگی کا جائزہ

اس فصل کو دو مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مبحث اوّل: ریاستی ملازمین کا انتخاب

مبحث ثانی : ریاستی ملازمین کی تربیت اور کارکردگی کا جائزہ

اور آخر میں نتائج و سفارشات شامل ہیں۔

فصل اوّل: ریاستی نظم ونسق کا تعارف، اہمیت اور بنیادیں

مبحث اوّل: ریاست، نظم ونسق کا مفہوم اور اہمیت

ریاست لغوی اعتبار سے "ریاسة" عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ "رأس" ہے، اور اسی سے الرئیس ہے اور اس کا اطلاق بلند مرتبہ یا اوّل المقام شخص پر ہوتا ہے۔[۱] انگریزی زبان میں ریاست کے لیے لفظ سٹیٹ (State) استعمال ہوتا ہے جو یونانی زبان کے لفظ (Status) سے ماخوذ ہے۔[۲] ان کے ہاں پولس (Polis) کا لفظ مستعمل رہا جس کے معنی شہر کے ہیں۔ یہ اس امر کی علامت ہے کہ ان کا تصور ریاست شہر پر مبنی اور محدود تھا۔ رومیوں نے ریاست کے مفہوم کو لفظ سویٹاس (Civitas) کے استعمال کے ذریعے قدرے وسعت دی ہے۔ ان کے ہاں ایک دوسرا لفظ ریپبلیکا (Republica) بھی ملتا ہے جو ریاست کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔

۱- جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی، **لسان العرب**، حرف السین، فصل الراء (بیروت: دار الصادر، ۱۹۵٦ء)، ٦: ۹۱۔

2- Joseph T. Shipley, *Dictionary of Word Origins* (New York: Philosophical Library, 1945), 334.

اس سے نہ صرف شہریت بلکہ ایک قوم اور اس کے مفادات کی نشان دہی ہوتی ہے۔[۳]

ریاست کا اصطلاحی مفہوم

عظیم مسلم مفکر و فلاسفر ابو النصر محمد الفارابی (۹۵۰ء) نے ریاست کی خصوصیات کے اعتبار سے ریاستِ فاضلہ اور جاہلی ریاست دو اقسام بیان کی ہیں۔ ریاستِ فاضلہ سے مراد ایسی ریاست ہے جو ان افعال و عادات اور اخلاق واقدار کو فروغ دیتی ہے جن کے ذریعے حقیقی سعادت حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور وہ اقوام و معاشرے جو اس ریاست کی تابع اور وفادار ہوں وہ بہترین معاشرے اور قومیں کہلاتی ہیں۔ دوسری ریاست وہ ہے جو معاشرے میں ان عادات و افعال کو فروغ دیتی ہے جو بہ ظاہر خیالی اور وہمی مسرت کا ذریعہ تو ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ایسی نہیں ہوتی ہیں۔[۴] گویا ان کے نزدیک ریاست فاضلہ وہ ہے جو شہریوں کو سہولیات زندگی باہم پہنچانے کے ساتھ ان کی اخلاقی تربیت ان کے معاشرتی رویوں کو بہتر سمت دینے کے لیے تعلیمی ذمے داریاں بھی پوری کرے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ شہریوں کو حقیقی خوشی و مسرت، خوش حالی سے نہیں مل سکتی بلکہ روحانی اور اخلاقی معیار کی بلندی بھی لازمی شرط ہے۔

امام الماوردی ریاست کو امامت و خلافت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی یہ تعریف کرتے ہیں: "الإمامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين وسياسة الدنيا"[۵] (امامت (خلافت) نبوت کی جانشینی ہے دین کی حفاظت اور دنیا کی اس کے ساتھ سیاست کرنے کے لیے ہے۔)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ریاست کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اہل مدینہ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک ہی نظام تمدن کے تابع اور پابندیوں میں باہم مل جل کر اجتماعی زندگی بسر کریں۔ اس جماعت کو اگرچہ وہ مختلف شہروں میں رہتے ہوں ایک اجتماعیت سمجھا جاتا ہے۔"[٦]

مذکورہ بالا آرا سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ماہرین سیاسیات نے ریاست کی تعریف میں معاشرتی اور سیاسی نقطۂ نظر کا لحاظ رکھا ہے؛ کیوں کہ ریاست ایک سیاسی اور معاشرتی ادارہ ہے۔ اس لحاظ سے ریاست کا تصور ایک

---

3 - Johann Caspar Bluntschli, *The Theory of the State* (Kitchener, ON: Batoche Books, 2000), 52.

۴- ابو النصر محمد الفارابی، **آراء أهل المدينة الفاضلة و مضاداتها** (مصر: مطبعة السعادة، ۱۹۰٦ء)، ۲٦۔

۵- ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، **الأحكام السلطانية** (قاہرہ: دار الحدیث، س ن)، ۱: ۲٦۵۔

٦- قطب الدین شاہ ولی اللہ، **حجة الله البالغة** (بیروت: دار الجیل، ۲۰۰۵ء)، ۱: ۴۴۔

منظم اجتماعیت کا تصور ہے جو کسی خاص علاقے میں موجود انسانوں کا ایک ایسا معاشرہ ہوتا ہے جس کے اختیارات افراد کے ایک گروہ (حکومت) کے پاس ہوں۔ ایسی قیادت جو اصولوں، حکمت اور فضیلت پر مبنی ہو۔ اس کے بغیر کسی اجتماعِ انسانی کو ریاست نہیں کہا جاسکتا ہے۔ نیز ریاست کا مفہوم موجودہ ڈیموکریسی سے مختلف ہے؛ کیوں کہ ان دونوں کے درمیان وہ بنیادی اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی نظام ریاست میں حاکمیت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ لازمی ہے۔

نظم ونسق کا مفہوم

نظم و نسق دو علاحدہ علاحدہ الفاظ ہیں۔ لفظ "نظم" عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے۔ "نظم اللؤلؤ" جمعه في السلك ومنه نظم الشعر ونظمه.[٧] "نظم" موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا، اسی سے ہے اشعار کو باہم منظم پرونا۔ اور نظام اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں موتیوں کو پرویا جاتا ہے۔ گویا نظم کا مطلب یہ ہوا کہ چند بے ترتیب اشیا، الفاظ یا اشخاص کو ایک لڑی یا سلسلے میں اس طرح ترتیب دینا کہ وہ اشیا، الفاظ یا اشخاص ایک دوسرے سے مکمل ہم آہنگ ہو جائیں۔ دوسرا لفظ نسق ہے جس کے معنی موتی وغیرہ پرونا، مرتب کرنا، ترتیب اور سلیقہ سے رکھنا جیسا کہ کہا جاتا ہے نسق الدر ونسق الكتب[٨] نظم ونسق دو لفظوں سے عبارت ہے، ایک اتحاد اور دوسرا ترتیب گویا "نظم و نسق" کا مفہوم یہ ہوا کہ لوگوں کو ایک نظریے اور پلیٹ فارم پر اس طرح متحد کرنا کہ ان کے درمیان مکمل ہم آہنگی اور ارتباط قائم رہے۔ نظم و نسق کے لیے مینجمنٹ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ فیصلہ کرنے کی صلاحیت کو انگریزی اصطلاح میں گورننس کہتے ہیں۔

ریاستی نظم ونسق کی اہمیت

اسلامی احکام پر طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سیاست کو شریعت سے جدا نہیں کیا جا سکتا

٧۔ محمد بن ابو بکر الرازی، **مختار الصحاح** (بیروت: دار الكتاب العربي، ١٤٠١ھ)، ٦٦٨؛ الخلیل بن احمد الفراہیدی، **کتاب العین** (دارمکتبة الھلال، د ط، س ن)، ٨: ١٦٥؛ الجوہری، **الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية** (بیروت: دارالعلم للملایین، ١٤٠٤ھ)، مادہ (نظم)، ٢٠٤١؛ احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی، **المصباح المنیر** (بیروت: المكتبة العلمية، س ن)، ٢: ٦١٢؛ ابن منظور، **لسان العرب**، مادہ ضبط، ٧: ٣٤٠۔

٨۔ **لسان العرب**، مادہ نسق، ١٠: ٥٢٣۔

ہے۔ آں حضرت ﷺ کا مسند قضا پر بیٹھنا، عدل و انصاف قائم کرنا اور تمام سماجی امور میں رہ نمائی کرنا، مختلف ملکی سربراہوں کے نام خطوط، عملی طور پر ظالم امرا کے خلاف اعلان جنگ، اور باطل کے خلاف جنگ میں لوگوں کو جمع کرنا ایسے اقدامات ہیں جن کو پیغمبر کی سیرت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اسلام صرف اعتقادات اور عبادات کا مجموعہ ہے۔

کسی بھی ریاست کی بقا کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس کے تمام نظام حکومت میں نظم و نسق پایا جائے۔ یہ اصول ہر ملک و قوم کے لیے ضروری ہے۔ جب بھی کوئی ریاست اس فطری اصولِ توازن سے منحرف ہو جائے تو وہ اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی اور اس کا انجام تباہی ہے۔ اسلام میں ریاست کا نظم و نسق بہت زیادہ اہم اور نمایاں ہے۔ ریاست اور ریاست کے ماتحت جملہ اداروں کے تمام امور و معاملات میں سب سے زیادہ نظم و نسق کی ضرورت ہے۔ کسی بھی ریاست کی کام یابی و ناکامی کا انحصار اس کے امور حکومت میں نظم و نسق سے وابستہ ہوتا ہے۔ حکومتوں کی ترقی اور معاشرے کے استحکام، قوموں کی آزادی کے لیے نظم و نسق کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اجتماعی نظم و نسق کا آغاز انفرادی نظم و نسق سے ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ اور فرزندوں کو یہ وصیت فرمائی: "أوصيكما وجميع ولدي و أهلي ومن بلغه كتابي بتقوى الله ونظم أمركم"[۹]

(آپ، میرے تمام فرزندوں اور اہل و عیال اور ہر اس شخص کو کہ جس تک میرا یہ فرمان پہنچے یہ وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور اپنے امور میں نظم و ضبط رکھو۔)

چناں چہ انتظامی مناصب پر نظم و نسق کسی بھی معاشرہ کی بہتر تشکیل و تنظیم کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور ایک کام یاب ریاست وہ ہوتی ہے جس کے جملہ امور ریاست منظم ہوں، ایسی ریاست بہت جلد ترقی و کمال حاصل کر لیتی ہے۔

مبحث ثانی: اسلامی ریاست کا نظم مملکت

اسلامی ریاست کی تشکیل اور نظم مملکت میں اصولِ توازن ضروری ہے۔ انسانی معاشرے کو فطرت کے اس اصول کے تحت اجتماعی نظام چلانے کے لیے مختلف اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ جن میں نظام عدل و قضا، نظام معیشت، نظام تعلیم، امور داخلہ، نظام دفاع قابل ذکر ہیں۔

نظام عدل و قضا: نظام عدل و قضا ایک اہم ادارہ اور اسلامی نظام حکومت کا محور و مرکز ہے۔ انصاف کسی

۹۔ محمد بن جریر الطبری، **تاريخ الطبري** (بیروت: دار ابن کثیر، ۲۰۰۷ء)، ۲: ۴۴۹۔

معاشرے کا حسن اور اس کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی اجتماعیت میں باہم اختلافات و تنازعات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی اصول کے مطابق ایک ایسی عدلیہ قائم کرے جو لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کی ذمے داریاں پوری کرے۔ عدل وقضا کا قیام حاکم وحکومت کی بنیادی ذمے داری ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾[۱۰] (اے داؤد: ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔ پس لوگوں میں حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا۔ سرکاری عہدے داران کو انصاف پسند ہونا چاہیے۔ انصاف پسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذاتی احساسات، جذبات اور تعصبات کو اپنے فیصلوں پر مت اثرانداز ہونے دیں۔ لوگ ہمیشہ سے ایسے حکم رانوں کو پسند کرتے آئے ہیں جنھوں نے عدل وانصاف کو اپنا شعار بنایا خواہ وہ بادشاہ تھے یا جمہوری حکم ران۔ دنیا کے تمام آئینوں کی بنیاد انصاف پر ہی رکھی جاتی ہے۔ لہٰذا معاشرے کے لیڈروں سے بھی انصاف کی فراہمی کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کی توقع رکھی جاتی ہے۔

نظام معیشت: معیشت انسانی معاشرے کا جزء لاینفک ہے۔ اسلامی فلاحی ریاست کی ذمے داری ہے کہ معاشی میدان زراعت، تجارت، صنعت، ملازمت، غرض کہ روزی کمانے کا کوئی بھی جائز ذریعہ معاشرے کے ہر فرد کو فراہم کرے۔ اور ہر فرد کو اس کی محنت واہلیت کے مطابق اس کی معاشی ضرورت کو پورا کرے اور کسی کا استحصال نہ ہو۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾[۱۱] (وہ اللہ جس نے تم سب کے لیے ہر وہ چیز پیدا کی ہے جو زمین میں ہے)

الغرض معاشرے کے ہر فرد کی بنیادی ضروریات خوراک، لباس، مکان، علاج اور تعلیم وغیرہ حاصل ہوں۔ اسلامی فلاحی ریاست کو اپنے نظام مالیات میں محاصل[۱۲] ومصارف کا جائزہ لینا چاہیے اور اس سلسلے میں زکوۃ کے نظام کا نفاذ اور سود کی ہر قسم اور ہر شکل کو حرام قرار دینا چاہیے۔

۱۰۔ القرآن، ۳۸: ۲۶۔

۱۱۔ القرآن، ۲: ۲۹۔

۱۲۔ اسلامی فلاحی ریاست کے ذرائع آمدن یہ ہیں: مال فئے، مال غنیمت، جزیہ، زکوۃ، صدقات، زمینوں کا کرایہ، وقف، اموال فاضلہ، ضرائب یا محصول، معدنیات، دیکھیے: ابو یوسف، **کتاب الخراج** (قاہرہ: المکتبۃ الأزھریۃ للتراث، س ن)، ۶۵۔
عصر حاضر میں بیت المال کو محاصل کے اعتبار سے شعبوں میں تقسیم کرکے الگ ڈیپارٹمنٹ قائم کرنے چاہییں جو مرکزی مالیات کے مرکزی محکمہ کے تحت رہیں گے تاکہ محاصل کی مدات کے مطابق مصارف کو اسلامی قانون کی طے شدہ مدات

نظام تعلیم: فکر اسلامی کے مطابق اسلامی فلاحی ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ نظام تعلیم قائم کرے۔ اسلام نے علم کا جو تصور دیا ہے اس میں تعلیم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے۔ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ چناں چہ اسلامی نظام تعلیم کا اصول یہی ہے کہ طلبہ کی زندگی کے ہر شعبے میں انھیں اسلامی تعلیمات کی طرف رہ نمائی کرے اور ان کو زندگی کا مقصد اور انسان کی حیثیت کا احساس دلائے۔ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تعلیم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔"[(۱۳)] امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق، تعلیم کا مقصد صرف معلومات میں اضافہ نہیں ہے بلکہ تعلیم کے ذریعے طالب علم روحانی قدروں سے واقف ہو جاتا ہے جس سے خوشنودی الٰہی حاصل ہوتی ہے۔[(۱۴)] ایک دوسری جگہ آپ لکھتے ہیں: "تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ جوان کے ذہن میں علم کی پیاس بجھا دے، بلکہ اس کے ساتھ ہی اسے اخلاقی کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی بیدار کرنا چاہیے۔"[(۱۵)]

گویا کہ تعلیم ایک ایسا عمل ہے، جس کے ذریعے سے ایک فرد اور ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے۔ اور زندگی کے مقاصد و فرائض کا احساس پیدا کرتی ہے جس کے ذریعے ایک قوم اپنے ثقافتی، ذہنی اور فکری ورثے کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے۔ اور کسی ریاست میں بہ طور ذمے دار شہری اپنے فرائض کو انجام دینے کی اہل ہوتی ہے۔

امور داخلہ: اسلامی ریاست میں داخلی امن و نظم کی ذمے داری امور داخلہ[(۱۶)] کی ہوتی ہے۔ یہ ریاست کے

کے مطابق اہتمام کو یقینی بنایا جاسکے۔ جس کی تقسیم یوں ہے۔ پہلے شعبے کا تعلق مال غنیمت، رکاز (معدنی وسائل) کے خمس اور صدقات سے ہے۔ دوسرے شعبے کا تعلق زکوٰۃ، عُشر اور مسلمان تاجروں سے وصول شدہ عُشر سے ہے۔ تیسرا شعبہ، خراج، جزیہ، غیر مسلم تاجر سے وصول شدہ عُشر، مال 'فئے' سے متعلق ہے۔ چوتھا شعبہ اموال فاضلہ قطائع وغیرہ سے متعلق ہے۔ پانچویں شعبے کا تعلق ضرائب (Taxes، محصول) سے ہے۔

۱۳- ابو عمر یوسف بن محمد ابن عبد البر، **جامع بیان العلوم** (دمام: دار ابن الجوزی، ۱۹۹۴ء)، ۳۳۔

۱۴- محمد ابو حامد الغزالی، **إحياء علوم الدين** (مصر: مكتبة مصطفى البابي الحلبي، ۱۹۳۹ء)، ۱: ۱۵۔

۱۵- نفس مصدر، ۱: ۴۷۔

۱۶- اسلامی ریاست کے داخلی امور کے ذمہ دار اہم اداروں میں: رفع مظالم، محتسب اور پولیس ہیں، دیکھیے: الماوردی، **الأحكام السلطانية**، ۷۷؛ قاضی ابویعلی محمد بن الحسین الفراء، **الأحكام السلطانية** (مکہ مکرمہ: المطبعة الفريدة، ۱۳۵۸ھ)، ۷۳۔

شہریوں کے بنیادی حقوق کی نگہ داشت جان ومال، عزت وآبرو کے تحفظ کا ذمے دار ہوتا ہے۔ عوام کے باہمی معاملات کو درست رکھنے کا اہتمام کرتا ہے اور عدلیہ کے فیصلوں پر عمل درآمد کو یقینی بناتا ہے۔ حسبہ اور شعبہ مفاد عامہ کو ان کے فرائض کی ادائی میں معاونت فراہم کرتا ہے۔ اور داخلی طور پر قانون کی عمل داری کو یقینی بنانے کا ذمے دار ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام فرائض کی ادائی کے لیے محکمہ پولیس (شرطہ) اور قانون نافذ کرنے والے اور امن وامان بر قرار رکھنے والے دیگر ادارے سپیشل پولیس وزارت کی عمل داری میں ہوتے ہیں۔

نظام دفاع: اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے کہ سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار سے محفوظ رکھنے اور ملک کی حفاظت کرنے کے لیے عسکری استعداد اور جنگی تیاری کے لیے نظریاتی وجسمانی تیاری اور تربیت کا باقاعدہ نظام دفاع قائم کرے۔ ملک کی بقا اور اس کا وجود اسی سے وابستہ ہوتا ہے۔ سرحدوں کو دشمنوں سے محفوظ بنانے کی بڑی فضیلت ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "رباط يوم في سبيل الله خير من الدنيا وما عليها"[۱۷]

(اللہ کی راہ میں ایک دن پہرہ دینا، دنیا اور اس پر تمام چیزوں سے بہتر ہے۔)

مبحث ثالث: اسلامی ریاست کی دستوری اور عملی بنیادیں

اسلامی نقطۂ نظر سے ریاست کے دستور کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کوئی بھی ریاست دستور کے بغیر نہیں چل سکتی۔ عصر حاضر میں اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہے کہ ریاست کے تمام ذیلی اداروں میں دستوری بنیادوں کی تشکیل ہو۔ ذیل میں اسلامی دستور کے ان بنیادی نکات کی نشان دہی اور وضاحت کی جاتی ہے جس پر اسلامی دستور تشکیل پاتا ہے:

۱- خلافت ونیابت کا منہج

اسلامی ریاست کی تشکیل کی دستوری بنیادوں میں ایک اہم دستور خلافت ہے۔ خلافت کا تصور یہ ہے کہ انسان کو اس دنیا میں جو حکومت و اقتدار حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ لہٰذا وہ خود مختار نہیں ہے بلکہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نمائندہ ہے۔ اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ یہ اختیارات اسی کے حکم کے مطابق اس کی زمین میں استعمال کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

۱۷- محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب الجهاد، باب الغدوة والروحة في سبيل الله (ریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۲۷۹۴۔

﴿لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ﴾ [۱۸] (اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔)

فکر اسلامی کی روشنی میں اسلامی ریاست کا صحیح مقام خلافت ہے نہ کہ حاکمیت اور شخصی حکومت؛ اور حکومت اس صورت میں درست ہو سکتی ہے جب وہ مالک حقیقی کے حکم کے تابع ہو۔ اگر اس سے روگردانی کرتے ہوئے خود مختار نظام حکومت کو قائم کیا جائے تو وہ خلافت کے بجائے بغاوت شمار ہوگی۔ اور یہ کہ ایک اسلامی ریاست میں خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا بلکہ پوری امت مسلمہ اپنی مجموعی حیثیت میں اس خلافت کی حامل ہوتی ہے جس نے مذکورہ بالا اصولوں کو تسلیم کر کے اپنی ریاست قائم کی ہو۔ اسلامی ریاست کی بنیاد اجتماعی خلافت (Public's Vicegerency) کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ جب کہ مغربی جمہوریت کی بنیاد اجتماعی حاکمیت (Public's Sovereignty) کے اصول پر قائم ہوتی ہے۔ مغربی جمہوریت میں یہ بات ضروری ہے کہ امیدوار اپنے آپ کو حکومت کے عہدے کے لیے پیش کرے اس کے لیے مہم چلا کر اقتدار کو حاصل کر لیا جائے جو اس عہدے کے لیے نااہل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی ریاست کی تشکیل میں نظریۂ خلافت کے دستور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۲- تصورِ حاکمیتِ الٰہیہ

کسی بھی ریاست میں سب سے بااختیار اور بالادست حیثیت کا نام اقتدار اعلیٰ ہے۔ اسلامی طرز حکومت میں اقتدار اعلیٰ نہ تو کسی فرد واحد کو حاصل ہے اور نہ ہی کسی گروہ یا ادارے کو حاصل ہے بلکہ یہاں مقتدر اور حاکم اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ [۱۹] (فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اللہ کے)۔ اس دستور کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے اور وہی انسانیت کے لیے شریعت و قانون وضع کرنے کا اختیار رکھتا ہے؛ کیوں کہ جب اقتدار و اختیار اور حکومت کا حقیقی منبع و سرچشمہ خالق حقیقی ہے تو لازمی بات ہے کہ اس کا قانون و حکم ہی بالادست ہوگا۔ اس لیے قانونِ شریعت ہی اسلامی ریاست کا قانون ہے جس کی اطاعت ضروری ہے۔ اسلام کے تصورِ حاکمیت کی اصل تین اجزا (تصورِ

۱۸- القرآن، ۲۴: ۵۵۔

۱۹- القرآن، ۱۲: ۴۰۔

الوہیت، تصورِ نبوت و رسالت، تصورِ خلافت) پر مشتمل ہے۔ فکر اسلامی کے مطابق پیغمبروں کو جو حکومتوں پر اقتدار حاصل ہوا ہے وہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے۔[۲۰] جب کہ دیگر نظام اس اصول پر مبنی ہیں کہ حاکمیت انسان کی ہے اور وہ اپنے لیے قانون اور شریعت وضع کرنے کا مجاز ہے۔ اس لیے اسلامی نظام دوسرے نظاموں سے مختلف وممتاز ہے۔[۲۱] یہی وجہ ہے کہ مسلم مفکرین نے خلافت و امامت کے ذکر میں دستوری ضابطوں کے بیان سے قبل اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ وحاکمیت کا ذکر کیا ہے۔ امام ابوالحسن الماوردی اپنی سیاسی تصنیف **الأحکام السلطانیة** کو اللہ تعالیٰ کی جلالت اور منزلت عامہ کے خصوصی ذکر سے شروع کرتے ہیں۔[۲۲]

امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ عالم گیر حکم رانی اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہے۔ اس کے اقتدار اور قانون کو تسلیم کرنا اسلامی حکومت کا بنیادی قانون ہے۔[۲۳] امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **السیاسة الشرعیة** کی ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت و اقتدار کا اعتراف کرتے ہیں اور پھر حکومت کے سیاسی اداروں پر بحث کرتے ہیں۔ [۲۴] سیّد مودودی فرماتے ہیں کہ: فرماں روائی کا حقِ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، یہ حاکمیت محض کائناتی حاکمیت (Universal Sovereignty) کے مفہوم میں مقید نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی یہ حاکمیت جس طرح کائناتی ہے اسی طرح سیاسی اور قانونی حکومتی بھی ہے۔[۲۵]

۳- اسلامی قانون کا نفاذ

اسلامی ریاست میں حاکمیتِ الٰہیہ کے بعد دوسرا دستور اسلامی قانون یعنی قرآن و سنت کا نفاذ ہے جو اسلامی ریاست کے دستور کی بنیاد ہے۔ اسلامی ریاست میں کتاب و سنت کو بنیادی ماخذ قانون کی حیثیت حاصل ہو گی اور ریاست کی انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کو اس قانون کے خلاف احکام دینے، قانون بنانے اور فیصلہ کرنے کا اختیار

۲۰- راغب الاصفہانی، **مفردات القرآن** (بیروت: دار القلم- الدار الشامیة،۱۴۱۲ھ)، ۲۰۳۔

۲۱- سیّد قطب، **العدالة الاجتماعیة في الإسلام** (بیروت: دار الشروق،۱۹۹۵ء)، ۵۴۲۔

۲۲- الماوردی، **الأحکام السلطانیة**،۲۔

۲۳- الغزالی، **التبر المسبوک في نصیحة الملوک** (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۹۸۸ء)،۹۔

۲۴- احمد بن عبد الحلیم الحرانی ابو العباس ابن تیمیہ، **السیاسة الشرعیة في إصلاح الراعي والرعیة** (سعودیہ: وزارة الشؤون الإسلامیة، ۱۴۱۸ھ)،۳۔

۲۵- سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن،۱۹۹۴ء)، ۲: ۲۰۵۔

ہرگز نہ ہوگا۔ لہٰذا کسی اسلامی ریاست کا کوئی دستور اس کے بغیر نہیں بن سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[۲۶] (یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔) تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسلامی ریاست کے حکم رانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اطاعت خداوندی اور اتباع رسول ﷺ کو اپنا شعار بنائیں اور اپنی ریاست کے تمام اداروں میں اسلامی قانون کی عملی تنفیذ کروائیں نیز رعایا کو احکام الٰہی کی پاس داری کی تلقین کریں۔

۴- قانونِ شوریٰ

اصولِ مشاورت اسلامی ریاست کی اہم دستوری بنیاد ہے۔ اسلامی ریاست اسلام کے تصور اجتماعی خلافت کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور اجتماعی خلافت کے نظریے کی بنیاد یہی اصولِ مشاورت ہے۔ اسلامی مملکت کی تشکیل اور پھر افراد معاشرہ کی اجتماعی معاملات کی انجام دہی میں مشاورت کو اساسی حیثیت حاصل ہے، لیکن مشورہ صرف ایسے معاملات کے بارے میں ہے جن کے بارے میں قانونِ شریعت کے بنیادی ماخذ قرآن و سنت میں واضح حکم موجود نہ ہو۔ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾[۲۷] (اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو جب کسی کام کا عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو)۔

۵- اسلامی ضابطہ حیات کی تنفیذ

کوئی بھی ریاست جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر قائم نہیں ہوتی بلکہ ان اصول و ضوابط پر ہوتی ہے جن کی اساس اسلامی ضابطہ حیات ہے۔ چناں چہ سربراہ مملکت کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ریاست میں اسلامی ضابطہ حیات کی تنفیذ کرے جو آں حضرت ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں بیان کیے ہیں۔ جس میں پہلی مرتبہ انسانیت کو عدل وانصاف، مساوات اور مؤاخات کے زریں اور ابدی اصول فراہم کیے ہیں۔ ضابطہ حیات مکمل طور پر انسانیت کے تحفظ اور حریت کا بین الاقوامی منشور ہے۔ الماوردی رحمۃ اللہ علیہ، ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دین کی حفاظت اور اس کا کامل نفاذ اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے۔ اسی طرح انسانی معاشرے میں عدل و مساوات اور امن کا قیام ظلم و جور کا انسداد اور ریاست کی

۲۶- القرآن، ۲۲: ۴۱۔

۲۷- القرآن، ۳: ۱۵۹۔

حفاظت حکومت کی اہم ذمے داری ہے۔ اضابطہ ٔحیات کی درج ذیل شقیں لائق حوالہ ہیں۔

(ا) عدل و مساوات کا قیام

اسلامی ریاست کا دستور عدل اجتماعی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور قیام عدل اور مساوات کو ریاست کی بنیادی ذمے داری اور اساسی اصول قرار دیتا ہے۔ اس لیے ریاست میں تمام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون و ضابطہ ہو اور کوئی بھی قانونی مواخذے سے بالا تر نہ ہو۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾[۲۸] (اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔) اسلامی ریاست چوں کہ اسلامی معاشرے کی اجتماعی تنظیم کا نام ہے اس لیے ریاست ہی اجتماعی عدل کے قیام کی ذمے دار ہوتی ہے اور حکم بین الناس کا سب سے زیادہ طاقت ور ادارہ وہی ہے اور اگر ریاست عدل نہیں کرے گی تو معاشرے میں عدل کسی بھی صورت میں ممکن نہیں۔ اسی طرح ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ اس میں تمام انسانوں کو یکساں طور پر حقوق و مواقع میسر کرے، کسی شخص کو اپنے خاندان، قبیلے کی وجہ سے کوئی امتیازی مقام حاصل نہ ہو اور نہ ان کے درمیان نسل، رنگ، لباس، زبان کا کوئی اعتبار ہو، صرف تقوی اور پرہیز گاری کی بنیاد پر فضیلت حاصل ہو۔[۲۹] یہی ضابطہ ٔحیات ہے جو کہ اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد ہے جن پر یہ نظام قائم ہے۔

(ب) قیام امن

اسلامی ریاست کی ایک اہم دستوری بنیاد امن کا قیام ہے۔ اگر ریاست امن قائم نہیں کر سکتی تو وہ بے معنی ہو جاتی ہے۔ اسلام کا لفظ خود سلامتی اور امن کی طرف رہ نمائی کرتا ہے جس دستور میں قیام امن سے متعلق وضاحت نہیں وہ دستور اسلامی نہیں ہو سکتا۔ تمام مفکرین اس بات پہ متفق ہیں کہ ریاست کا ایک اہم اور

۲۸– القرآن، ۴: ۵۸۔

۲۹– ارشاد نبوی ہے: "يَا أَيهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِي عَلَى أَعْجَمِي وَلَا لِعَجَمِي عَلَى عَرَبِي وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى." (لوگو! آگاہ رہو تمھارا پرورد گا ایک ہے آگاہ رہو کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی اور نہ کسی گورے کو کالے اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت حاصل ہے مگر تقوی کی بنیاد پر۔) امام احمد بن حنبل، **مسند أحمد** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱ء)، حَدِيثُ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم: ۲۳۴۸۹۔

بنیادی مقصد و ذمے داری فساد و شر کا انسداد اور امن کا قیام ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ شہریوں کی جان ومال عزت وآبرو کا تحفظ یقینی بنائے۔

(ج) اعتدال پسندی اور میانہ روی

اسلامی ریاست کی ایک اہم دستوری بنیاد اعتدال پسندی اور میانہ روی ہے۔ سربراہ ریاست کے لیے لازمی امر ہے کہ وہ ریاست کے جملہ امور میں اعتدال پسندی اور میانہ روی اختیار کرے۔ اسلام کی تعلیمات غلو وتقصیر اور افراط وتفریط سے پاک ہیں۔ اور اسلام میں شدت پسندی، غلوّ اور بے جا تکلّف سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔[۳۰] اسلام وسطیت اور معتدل ہونے کا داعی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالی نے امت مسلمہ کو امت وسط قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾[۳۱] (اور (مسلمانو!) اس طرح ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا ہے۔)

امت وسط ہونے کا تعلق جس طرح عقیدے اور نظریات سے ہے، اسی طرح اعمال کے ساتھ بھی ہے، جو قومیں اعتدال و میانہ روی اختیار کرتی ہیں وہ کام یابی سے ہم کنار ہوجاتی ہیں۔ اس لیے سربراہ ریاست پر لازم ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں خواہ وہ مذہبی، معاشی یا معاشرتی معاملہ ہو اعتدال و توسط کی روش اختیار کرے۔ یہی عمل صالح کی راہ ہے اور کام یابی کے حصول کی کلید ہے۔

(د) اقلیتوں کے حقوق کی پاس داری

اسلامی ریاست میں بسنے والے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ہوتے ہیں۔ سربراہ ریاست کو اقلیتوں کے ان تمام حقوق کا خیال رکھنا چاہیے جو شریعت نے ان کو عطا کیے ہیں۔ انھیں تحفظ جان و مال و آبرو، آزادی مذہب و عبادت، آزادی اکتسابِ رزق، آزادی اظہارِ رائے حاصل ہوں۔ ان کے ساتھ مساوات اور عدل و انصاف اور رواداری کا معاملہ کرنا چاہیے اور انھیں ترقی کے تمام مواقع میسر ہوں۔ عبادت گاہیں

۳۰- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سددوا وقاربوا، واغدوا وروحوا، وشيئا من الدلجة والقصد القصد تبلغوا.“ اپنے اعمال درست کرو، میانہ روی اختیار کرو۔ کچھ سفر صبح کر لیا کرو، کچھ شام کو اور کچھ رات کے آخری پہر میں۔ اس طرح میانہ روی اختیار کروگے تو منزل مقصود تک آسانی سے پہنچ جاؤ گے۔ (البخاری، **صحيح البخاري**، كتاب الرقاق، بَابُ القَصْدِ وَالمُدَاوَمَةِ عَلَى العَمَلِ، رقم: ۶۴۶۳۔)

۳۱- القرآن،۲: ۱۴۳۔

چاہے مسلمانوں کی ہوں یا غیر مسلموں کی سب کی سب یکساں محترم ہیں۔[۳۲] جہاد کی اصل حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعے تمام مذاہب کی عبادت گاہیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ کیوں کہ بذریعہ جہاد اسلام کسی جگہ پر جب غالب آجاتا ہے تو وہ علاقہ اور اس کے اندر قیام پذیر عوام الناس چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان میں آجاتے ہیں اور ہر طرح کے ظلم و تشدد اور جبر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اسلامی دستور غیر مسلم اقلیتوں کو اسلام کے زیر سایہ اپنے عقائد کی پابند، عبادات اور اپنے مذہبی شعائر کی آزادی کی ضمانت فراہم کرتا ہے بہ شرطے کہ وہ غالب مسلم اکثریت کے جذبات و احساسات کا احترام کریں اور اشتعال انگیزیوں اور بے جا مظاہروں کے ذریعے بلاوجہ ان کے مذہبی احساسات و جذبات کو مجروح نہ کریں۔ علامہ یوسف القرضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسلامی دستور میں ان اقلیتوں کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں اور ان کی ذمے داریاں بھی اتنی ہی ہوں گی جتنی خود مسلمانوں کے اوپر عائد ہوتی ہیں سوائے ان حقوق و فرائض کے جن کی ایک نظریاتی ریاست متقاضی ہو اور جن کی اساس اسلامی فکر ہو۔[۳۳]

سربراہ مملکت کے اختیارات کے حوالے سے الماوردی بیان کرتے ہیں:

> صوبوں کی تشکیل، حکام صوبہ جات کا تقرر و عزل، عدلیہ کے اعلیٰ حکام اور قاضی کی نام زدگی، مالیات و اقتصادیات کی نگرانی، مختلف منصوبوں کے لیے فنڈز کی حتمی منظوری، سرحدوں کی حفاظت، افواج کی تنظیم اور دفاعی انتظامات کے علاوہ عوام کے مساوی حقوق کی نگہ داشت کم زور اور طاقت ور کے درمیان توازن کی دیکھ بھال، بیرونی خطرات کے وقت فوج کو لشکر کشی کا حتمی حکم جاری کرنا، ان تمام امور کا سربراہ مملکت کو اختیار حاصل ہے۔ جن میں سے ہر اختیار کو فرض اور امانت سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہے۔[۳۴]

فصل ثانی: ریاستی نظم و نسق اور مفکرین کی آرا

مبحث اوّل: ریاستی نظم و نسق اور قدیم مسلم مفکرین کی آرا

اسلام کے سیاسی و حکومتی نظم و نسق کے ضمن میں: ریاستی نظم و نسق، دارالسلام و دارالحرب کی تقسیم،

۳۲۔ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا﴾ القرآن، ۲۲: ۴۰۔

۳۳۔ یوسف القرضاوی، **حقوق غير المسلمين في مجتمع الإسلامي** (قاہرہ: مكتبة وهبة، ۱۹۹۲ء)، ۳۵۔

۳۴۔ الماوردی، **الأحكام السلطانية**، ۱۷۔

تشکیل ریاست، انتخاب سربراہ مملکت اور اہلیت و شرائط، عہدہ و منصب کے زریں اصول قابل ذکر ہیں:

دارالاسلام و دارالحرب کی تقسیم

فقہاے مفکرین نے دنیا کو دارالاسلام و دارالحرب یا دارالکفر میں تقسیم کیا ہے۔ دارالاسلام سے مراد ایسی باقاعدہ منظم ریاست یا ملک ہے جس کا سربراہ مسلمان ہو اور جہاں اسلامی شریعت کے مطابق عملی احکام نافذ ہوں اور دارالحرب سے مراد دشمنان اسلام کا وہ علاقہ ہے جس کے باشندے دعوت اسلام کو مسترد کر کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرکشی اور عداوت کا اظہار کریں اور جہاں اہل اسلام اور اہل ذمہ کی عبادت گاہیں محفوظ نہ ہوں۔ علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالاسلام اور دارالحرب کے مابین فرق یوں بیان کیا ہے:"دار الإسلام عندهم ما يجري فيه حكم إمام المسلمين من البلاد و دارالحرب عندهم ما يجري فيه أمر رئيس الكفار من البلاد... ولم يبق مسلم ولا ذمي أمنا إلا بأمان الكفار."[۳۵] (دار الاسلام وہ علاقہ ہے جس میں اسلامی قانون کا نفاذ ہو اور دارالحرب سے مراد ایسا علاقہ ہے جس کے شہروں میں غیر مسلموں کی حکومت ہو... اور وہاں پر مسلمان اور ذمی سوائے کافروں کی ضمانت کے امن سے نہ رہ سکیں۔)

درج بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ دارالاسلام سے مراد ایسی باقاعدہ منظم ریاست یا ملک ہے جس کا سربراہ مسلمان ہو اور جہاں اسلامی شریعت کے مطابق عملی احکام نافذ ہوں۔ دارالاسلام میں موجود غیر مسلموں کو "اہل ذمہ" کہا جاتا ہے کہ اسلامی حکومت ان کے مال، جان، عزت اور دفاع کی ذمے دار ہوتی ہے جب کہ دارالحرب کے اندر موجود غیر مسلموں کو اسلامی حکومت کی طرف سے یہ حقوق حاصل نہیں ہوتے۔ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ دارالاسلام میں سکونت اختیار کرے اور اگر وہ دارالحرب میں موجود ہے تو اس پر فرض ہے کہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کرے دارالحرب میں صرف اس صورت میں رہ سکتا ہے کہ اس کے پاس دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کے لیے وسائل موجود نہ ہوں اس صورت میں اس کا شمار مستضعفین میں ہو گا۔

تشکیلِ ریاست

اسلام کا تصور سیاست اس امر کا متقاضی ہے کہ طبقاتِ معاشرہ اور مختلف مذہبی اکائیاں مل کر ایک آئینی ریاست تشکیل دیں۔ یعنی تشکیلِ ریاست اور تدوینِ آئین بنیادی اسلامی احکامات و تصورات میں سے ہے۔ اس

۳۵- محمد بن علی ابن القاضی التھانوی، **كشاف اصطلاحات الفنون** (بيروت: مكتبة لبنان ناشرون،۱۹۹۶ء)، ۱: ۷۹۹۔

مقصد کے حصول کے لیے رسول اللہ ﷺ کا ریاستِ مدینہ کی تشکیل اور میثاقِ مدینہ کی صورت میں ایک آئینی دستاویز کی تیاری ایک قوی ترین اور ناقابل تردید دلیل اور حجت ہے۔

انتخاب سربراہ مملکت اور اہلیت و شرائط

اسلامی ریاست کے ریاستی نظم ونسق میں اہم اور کلیدی معاملہ سربراہ ریاست کے تقرر وانتخاب کا ہے جس کو اسلامی اصطلاح میں امام، خلیفہ یا امیر کہا جاتا ہے۔ شریعت میں یہ واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ اسلامی مملکت کا سربراہ انتخاب سے مقرر کیا جائے؛ لیکن شریعت میں انتخاب کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا انتخاب مسلمانوں کے باہمی مشورے اور رضامندی سے ہونا چاہیے۔ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل اس امر کی تصدیق کر دی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔[۳۶] کسی خاندان یا طبقے کو اس منصب پر اجارہ نہیں بلکہ اس منصب کا طالب بھی اس کے لیے نااہل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سربراہ اسلامی ریاست کے تقرر وانتخاب کے لیے وقت کے تقاضوں اور اپنے بہترین مفاد اور حالات کے لحاظ سے مختلف طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔[۳۷] بہ شرطے کہ ان سے معقول طور پر یہ معلوم کیا جاسکتا ہو کہ جمہور کا اعتماد کس شخص کو حاصل ہے۔ یہ قانون شریعت اسلام کے آفاقی اور ہر دور میں بدرجہ اتم قابل عمل ہونے کی علامت ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا سربراہ ایسا شخص ہونا چاہیے جسے ریاست کے باشندوں اور جمہور کا اعتماد حاصل ہو۔

امام الماوردی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سربراہ مملکت کا مرد، عاقل، بالغ، آزاد اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہونا ضروری ہے۔ اس میں عدالت، سخاوت، شجاعت، تواضع، اولوالعزمی اور ثابت قدمی جیسے اوصاف بدرجہ اتم

۳۶۔ جلال الدین السیوطی، **تاریخ الخلفاء** (قطر: وزارۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ، ۲۰۱۳ء)، ۷۲۔

۳۷۔ چاروں خلفاے راشدین کا انتخاب مختلف طریقے سے ہوا ہے۔ پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب اکابر مہاجرین وانصار نے کیا۔ جو رسول ﷺ کی وفات کے وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جانشین نام زد کر دیا امت نے بعد میں اس کی توثیق کر دی، اس معاملے میں توثیق انتخاب کے مترادف تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آیا تو انھوں نے رسول ﷺ کے نہایت ممتاز اصحاب میں سے چھے کی ایک انتخابی کونسل بنائی اور انھیں یہ کام سونپا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا اور انھیں امت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحیح جانشین مان لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسجد نبوی میں ایک اجتماع عام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان ہو گیا اور امت کی اکثریت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا حلف اٹھالیا۔

پائے جاتے ہوں۔ اس کے اعضا و جوارح صحیح سلامت ہوں وہ صائب الرائے ہو، شرعی اور دینی علوم میں نہ صرف مہارت رکھتا ہو بلکہ اس میں اجتہاد کی صلاحیت پائی جاتی ہو۔[۳۸] ابن خلدون کے نزدیک خلیفہ اور امام میں چار اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے: علم، عدالت، کفایت اور اعضا و جوارح کی سلامتی۔[۳۹] اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام میں قوت و امانت، شجاعت و عزم اور صدق جیسے اوصاف کا بھی پایا جانا بے حد ضروری ہے۔[۴۰]

انتخاب کے بنیادی اصول

درج بالا مسلم مفکرین کی آرا کی روشنی میں انتخاب کے بنیادی اصول بیان کیے جا رہے ہیں:

۱- اصول اصلح (موزوں ترین)

اسلامی ریاست کے سربراہ کے انتخاب کا بنیادی اصول یہ ہے کہ امت تمام اغراض سے بالاتر ہو کر ایسے فرد کا انتخاب کرے جو معاشرے میں اصلح ہو۔ اصلح سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کا انتخاب کرے جو سیاسی بصیرت کا حامل ہو اور تمام صفات (پاکیزہ کردار، مخلص اور دیانت داری، احکام الٰہی کا پابند) کا حامل اور وہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح استعمال میں لاتے ہوئے اپنی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔[۴۱] قرآن مجید میں ارشاد ہے:

۳۸- الماوردی، **الأحکام السلطانیة**،٦؛ ابو یعلی محمد بن حسین الفرا اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ و امام کے لیے یہی شرائط گنوائی ہیں۔ البتہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرعی علوم میں مہارت ہی کافی ہے اس میں اجتہادی صلاحیت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ شرعی علوم کے ماہر علما و صائب الرائے و شجاع و بہادر مشیروں کی موجودگی میں خلیفہ کے لیے دفاعی و صلاحیت کا بدرجہ اتم پائے جانے کو ضروری تصور نہیں کرتے۔ (الفرا، **الأحکام السلطانیة**، ۲۰۔)

۳۹- عبد الرحمن بن محمد بن خلدون ولی الدین ابن خلدون، **مقدمة** (بیروت: دار الکتب العربي، ۲۰۱۴ء)، ۲۱۵۔

۴۰- ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، الماوردی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن خلدون کے برعکس امام میں اجتہادی صلاحیت کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس معاملے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم خیال ہیں۔ تاہم وہ امام میں اصابت رائے کو ضروری سمجھتے ہیں تاکہ علما کے باہم اختلاف کی صورت میں وہ ایسی رائے کو ترجیح دے سکے جو کتاب و سنت کے قریب تر ہو۔ وہ اس منصب کے لیے ابن خلدون کی قرشیت کی شرط کو ضروری خیال نہیں کرتے ہیں۔ (ابن تیمیہ، **السیاسة الشرعیة**، ۸۔)

۴۱- الفارابی، **آراء أهل المدینة الفاضلة**، ۸٦۔

﴿اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾[۴۲] (کہ روے زمین کی حکومت کے وارث صالح اور صلاحیت مند لوگ ہیں۔)

اجتماعی نظام میں اس اصول کی حفاظت اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ جسم میں روح کی نگہ داشت۔ (مشہور مسلم مفکر الفارابی نے حکومت کی مشینری کو جسم سے تشبیہ دی ہے۔ وہ رئیس مملکت کو دل اور مملکت کے دیگر حکام کو اعضاے جسم کی مانند قرار دیتے ہیں۔ جس طرح دل جسم کے جملہ حصوں کے کام کا تعین کرتا ہے ایسے ہی رئیس مملکت کے منصب کی حیثیت ہے۔[۴۳] علامہ الماوردی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ریاست عامہ کے ارباب اختیار کے لیے قوت فیصلہ اور سیاسی بصیرت ضروری ہے تاکہ وہ امامت کے لیے اصلح شخصیت اور مصالح کے لحاظ سے ایک اہل مدبر کا انتخاب کر سکیں۔[۴۴] اس اصول کی پابندی امام کے انتخاب ہی تک محدود نہیں بلکہ رئیس مملکت کے ساتھ ساتھ ریاست کے تمام حکام کے انتخاب و تقرر کے لیے ضروری ہے۔[۴۵] رئیس مملکت کے اس عظیم منصب اور اہم ذمے داری سے ہمہ پہلو صفات کا حامل ایک اصلح شخص ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

۲- شوریٰ برائے انتخاب

سربراہ مملکت کا انتخاب راے عامہ اور امت کے اجتماعی اختیار اور مرضی سے ہوتا ہے۔ امیر کو اپنی مرضی کے چنے ہوئے لوگوں سے مشورہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو عامۃ المسلمین کے معتمد ہوں، جن کے اخلاص و خیر خواہی اور اہلیت پر لوگ مطمئن ہوں اور حکومت کے فیصلوں میں جن کی شرکت اس امر کی ضامن ہو کہ ان فیصلوں کے نفاذ میں جمہور قوم کا تعاون شریک ہو گا۔ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے سربراہ مملکت کے انتخاب میں مدبرین ریاست، اہل علم و حکمت کی انتخابی کونسل یا تقرر مجلس کے ذریعے سے بھی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔[۴۶] قرون اولی کے ارباب حل و عقد نے اس اصول کی بنیاد پر سربراہ ریاست کا انتخاب کیا تھا۔[۴۷] اسلام نے ریاست کے سربراہ کے تقرر کے لیے اس ریاست کے شہریوں کی اتفاق راے یا کثرت راے

۴۲- القرآن،۲۱: ۱۰۵۔

۴۳- الفارابی، مصدر سابق، ۸۶۔

۴۴- الماوردی، **الأحكام السلطانية**، ۴۔

۴۵- ابن تیمیہ، **السياسة الشرعية**، ۳۔

۴۶- شاہ ولی اللہ، **حجة الله البالغة**، ۱۴۹۔

۴۷- محمد بن جریر بن یزید الطبری، **تاريخ الرسل والملوك**، (بیروت: دار التراث، ۱۳۸۷ ھ)، ۳: ۱۹۹؛ ابو الفداء اسماعیل

راے کا اصول مقرر کیا ہے۔ امورِ ریاست آمریت یا شخصی حکومت کے بجائے مشاورت سے چلانے کا ضابطہ مقرر کیا ہے جیسا کہ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ کا قرآنی حکم اس باب میں واضح ہے۔

سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں واختیارات

اسلامی ریاست کے قیام کا بنیادی مقصد ہی دین کی حفاظت اور اس کا نفاذ ہے اور سربراہ مملکت دین کا محافظ ہے اور حفاظت دین اس کی بنیادی ذمے داری ہے۔ دین سے وابستگی اگر مضبوط رہے گی تو امت کی اجتماعیت قائم رہے گی۔ اس سے ریاست مضبوط ہو گی؛ کیوں کہ دین ہی وہ بنیاد ہے جس پر اسلامی اجتماعیت، ملت اور ریاست کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اگر دین کا نفاذ نہیں ہو گا تو امت کی اجتماعیت کا شیرازہ بکھر جائے تو پھر ریاست کا وجود بھی باقی نہیں رہ سکتا؛ اس لیے اسلامی ریاست کا سربراہ نظم و نسقِ مملکت کو قانون شریعت کے مطابق چلانے کا ذمے دار، عوام کے مفاد اور ان کے مصالح کا نگران و محافظ ہے۔ سربراہ مملکت کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ وہ ریاست کے سیاسی نظام کو قائم اور مستحکم رکھے۔ اسلامی مملکت کا سیاسی نظم بھی اسی دینی نظریے پر قائم ہوتا ہے۔

مسلم مفکرین نے سربراہ ریاست کے نظمِ حکومت میں درج ذیل اختیارات و ذمے داریوں کو بیان کیا ہے: "حق و انصاف کی بنیاد پر نظم حکومت قائم کرنا، فرائض کی ادائی کا اہتمام کرنا، اسلامی قانون شریعت کا نفاذ، حدود کا قیام، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نظام کا قیام، عدل اجتماعی، شر و فساد کا خاتمہ اور امن عامہ کا قیام۔"(۴۸)

ابن خلدون کی راے میں اسلامی ریاست کا ہر فرد اس نظم کے ماتحت اپنی خوشی سے رہتا ہے اور اپنی اجتماعی قوت کو امیر کے ہاتھ میں دیتا ہے تاکہ سیاسی نظم اپنی پوری طاقت اور مکمل اختیار کے ساتھ قائم اور باقی رہے، حقوق عامہ کی نگہ داشت، سوسائٹی کے اختلافات کی اصلاح، ظلم و زیادتی کا ازالہ امام کی سیاسی ذمے داریوں میں شامل ہے۔(۴۹)

ریاست کے تمام انتظامی معاملات جن کا تعلق فرد اور معاشرہ سے ہے ان سب پر سربراہ ریاست کا اختیار

بن عمر بن کثیر، **البداية والنهاية** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۶ء)، ۷: ۱۴۴؛ ابن اثیر، **تاریخ**، ۳: ۲۶۔

۴۸۔ ابن خلدون، **مقدمة**، ۲: الماوردی، مصدر سابق، ۱۲۔

۴۹۔ ابن خلدون، مصدر سابق، ۱۳۴؛ الماوردی، مصدر سابق، ۳؛ شاہ ولی اللہ، مصدر سابق، ۱۴۸۔

کار فرما ہے۔ ریاست کے تمام ادارے اس کی رہ نمائی کے ماتحت ہیں۔ فارابی نے تجویز کیا ہے کہ رئیس مملکت کو چاہیے کہ وہ افراد کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق ریاست کے مختلف عہدوں پہ فائز کرے۔ اگر تمام عہدے اہل افراد کے ذریعے پُر کیے جائیں گے تو ہم حکومت کو منظم کہہ سکتے ہیں ورنہ نہیں۔[۵۰]

ظاہر ہے کہ اگر سربراہ مملکت غیر فعالیت کا مظاہر کرے گا تو پورا نظم حکومت غیر فعال ہو کر رہ جائے گا۔ یہ تمام امور براہ راست سربراہ ریاست خود انجام نہیں دے سکتا بلکہ اس کے لیے وہ مختلف حکام و معاونین کا تقرر کرتا ہے اور تمام دینی، سیاسی اور انتظامی امور کا ذمے دار سربراہ مملکت ہی ہے اور وہی اللہ کے سامنے امین کی حیثیت سے جواب دہ ہو گا۔

مبحث ثانی: ریاستی نظم ونسق اور معاصر مفکرین کی آرا

متاخرین مسلم مفکرین میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مسئلہ خلافت و امامت پر تفصیلی بحث کی ہے انھوں نے اقتدار اعلیٰ کی اصطلاح کی جگہ حاکمیت الٰہیہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔[۵۱] شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے خلیفہ کے لیے تقریباً وہی اہلیت و اوصاف بیان کیے ہیں جو علامہ الماوردی نے سات سو سال پہلے بیان کر دیے تھے۔[۵۲]

بیسویں صدی کے مسلم مفکر سیّد مودودیؒ امام کی اہلیت و شرائط کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی قسم میں بنیادی طور پر چار شرائط بیان کرتے ہیں جو اسلامی ریاست میں کسی بھی اعلیٰ منصب کے لیے ضروری ہے: مسلمان ہونا، مرد ہونا، عاقل بالغ ہونا، دارالاسلام یعنی اسلامی ریاست کا باشندہ ہونا۔ یہ چاروں قانونی صفات ہیں جن کے لحاظ سے ہر وہ شخص امارت اور رکنیت شوریٰ کا اہل ہو سکتا ہے جو ان تمام شرائط پر پورا اتر رہا ہو۔ دوسری قسم کی اہلیت و معیارات جنھیں سیّد مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس منصب کے لیے خاص طور پر ضروری سمجھتے ہیں: امانت داری، تقویٰ و پرہیز گاری، علم، عدالت، جسمانی طور پر صحیح سلامت اور مضبوط اعصاب کا مالک ہونا۔ وہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا نہ ہو اور منصب کا طالب بھی نہ ہو۔[۵۳]

اس بنیاد پر عصر حاضر کے مسلم مفکرین سیّد مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اسد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسلامی

۵۰– الفارابی، مصدر سابق، ۷۶۔

۵۱– دیکھیے: شاہ ولی اللہ، **إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء** (بیروت: دار القلم، ۲۰۱۳ء)، ۱: ۱۷۔

۵۲– نفس مصدر۔

۵۳– سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی ریاست** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، س ن)، ۳۲۱۔

ریاست کے سربراہ کا منصب سراسر انتخابی ہے جسے مسلمانوں کے باہمی مشورے اور آزادانہ رضامندی سے قائم ہونا چاہیے، کوئی شخص بزور طاقت اس منصب پر فائز نہیں ہو سکتا کسی خاندان یا طبقے کو اس منصب پر اجارہ نہیں بلکہ اس منصب کا طالب بھی اس کے لیے نااہل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا سربراہ ایسا شخص ہونا چاہیے جسے ریاست کے باشندے اور جمہور اہل اسلام کا اعتماد حاصل ہو۔[۵۴] مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی راے رکھتے تھے۔[۵۵]

سیّد مودودی مخلوق کے اقتدار اور حاکمیت کے قائل نہیں تھے ان کے نزدیک مخلوق کے اوپر مخلوق کو حکم چلانے کا حق نہیں ہے یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ اس بنا پر حاصل یہی ہے کہ وہی خالق حقیقی ہے۔ ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾[۵۶] خبردار خلق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کے لیے ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ریاست وحکومت میں اقتدار اور حاکمیت کا ماخذ عوام نہیں بلکہ ذات خداوند تعالیٰ ہے۔ بلکہ انھوں نے تو جمہوریت کے نظریہ عوام کے اقتدار اعلیٰ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اسے غیر منطقی قرار دیا ہے۔ انھوں نے "مسلم ثقافت کی روح" میں کہا ہے کہ : "اسلام بحیثیت ایک نظام سیاست کے اصولِ توحید کو انسانوں کی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے بھی ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ وفاداری خدا کے لیے ہے نہ کہ تخت وتاج کے لیے اور چوں کہ ذات باری تعالیٰ زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے۔ اس لیے اس کی اطاعت شعاری کا درحقیقت مطلب یہ ہے کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت کی اطاعت شعاری اختیار کرتا ہے۔[۵۷] اسی بنا پر علامہ اپنے اس نظریے کی وضاحت کرتے ہیں کہ حاکمیت کا حق صرف خدا کو ہی ہے:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری[۵۸]

۵۴– سیّد مودودی، **تفہیم القرآن**، ۴: ۵۰۹ ؛ **اسلامی ریاست**، ۳۵۸ ؛
Edward J. Jurji, review of *The Principles of State and Government in Islam*, by Muhammad Asad, *Journal of Church and State*, 5: 2 (1963), 269-270.

۵۵– ابوالکلام آزاد، **مسئلہ خلافت** (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۰۶ء)، ۵۳۔

۵۶– القرآن، ۷: ۵۴۔

۵۷– **محمد اقبال**، **تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ**، ترجمہ، سیّد نذیر نیازی (لاہور: بزم اقبال، س ن)، ۱۹۰۔

۵۸– علامہ اقبال، **کلیات** (لاہور: اقبال اکادمی ۲۰۰۰ء)، ۲۹۰۔

فصل ثالث: فکر اسلامی میں ریاستی ملازمین کے انتخاب، تربیت اور کارکردگی کا جائزہ

مبحث اوّل: ریاستی ملازمین کا انتخاب

فکر اسلامی میں سرکاری عہدوں کی تعیناتی اور انتخاب ہمیشہ اہلیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اہلیت کی دو صورتیں ہیں: اہلیت بالفعل اور اہلیت بالقوہ؛ یعنی ایسے شخص کا ماضی اس امر کا آئینہ دار ہو کہ وہ اپنی ذمے داریوں کو نبھاتا ہو اور ماضی میں دی گئی ذمے داریوں کو ذاتی اختیار و تعیش میں صرف کرنے کی بجائے قومی مصالح اور منصب کے فرائض کو نبھانے پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہو۔ جس طرح آں حضرت ﷺ نے بیت اللہ کی چابیاں حضرت عثمانؓ بن طلحہ کو دے دیں؛ چوں کہ ان کا خاندان بیت اللہ کا کنجی بردار تھا، اور انھوں نے اپنی ذمے داری بہ طریق احسن انجام دی تھی۔ حضرت عثمانؓ بن طلحہ کے خاندان کو منتخب کرنے کی بنیاد ان کی ماضی کی وہ ثابت شدہ اہلیت تھی جو مستقبل میں بھی اس امر کی قوی ضمانت تھی کہ وہ آئندہ بھی اس منصب کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوں گے۔[۵۹]

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کسی بھی منصب پر تعیناتی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فليس أن يستعمل إلا أصلح الموجود، وقد لا يكون في موجوده، من هو أصلح لتلك الولاية، فيختار الأمثل فالأمثل في كل منصب بحسبه."[۶۰] اَصلح (اہل و موزوں ترین) فرد موجود ہے تو اولی الامر کا فرض یہ ہے کہ وہ اُسے ولایت واختیار عطا کرے، اگر اَصلح موجود نہ ہو تو پھر صالح کو یہ ذمے داری تفویض کرنی چاہیے۔ ہر منصب اور عہدے کے مناسب حال الأمثل فالأمثل کو مقرر کرنے والے کا فرض ہے۔

قرآن کریم نے کسی بھی منصب یا عہدے کے لیے مختلف شرائط بیان کی ہیں۔ ان میں سے سورۃ البقرۃ میں دو شرطوں کا ذکر ہے۔ جن میں ایک علم اور دوسری کام کی قوت وصلاحیت ہے۔[۶۱] سورۃ یوسف میں مزید ایک شرط کا ذکر ہے اور وہ ہے نگرانی۔[۶۲] سورۃ القصص میں دیگر شرطوں کے ساتھ امانت کا ذکر ہے۔[۶۳] گویا کسی بھی

۵۹- عبد الملک بن ہشام، **السيرة النبوية** (بیروت: إحياء التراث العربي، ۲۰۰۸ء)، ۲: ۳۱۶۔

۶۰- ابن تیمیہ، **السياسة الشرعية**، ۲۳۔

۶۱- ارشاد باری تعالی ہے: ﴿قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ القرآن، ۲: ۲۴۷۔

۶۲- ﴿قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ﴾ (القرآن، ۱۲: ۵۵۔)

۶۳- ﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ (القرآن، ۲۸: ۲۶۔)

منصب یا عہدے کے لیے قوت، امانت اور نگرانی بنیادی اوصاف ہیں۔ قوت سے مقصود علم وعدل اور اپنے احکام کو نافذ کرنے کی اہلیت ہے جب کہ امانت سے مراد حقوق الٰہی کا نفاذ ہے۔ دوسرا لازمی اعتبار قابل اعتماد ہونا ہے۔ اعتماد سے مراد اللہ سبحانہ وتعالی کا خوف اور ہر وقت اللہ کی موجودگی سے آگاہی ہے جس کے نتیجے میں ایک شخص مستعدی، جواب دہی، مؤثر اور پوری اطاعت کے ساتھ اپنے آجر کے طے شدہ موجودہ قواعد پر عمل کرے۔

قائد کو چاہیے کہ مناسب عملے کا انتخاب سنجیدگی سے کرے اور وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ تعصب یا دھوکہ دہی کے بغیر بہترین عملے کا انتخاب کرے۔ آں حضرت ﷺ نے اہلیت کی بنیاد پر ذمے داریوں کی تقسیم کاری کی[۶۴] نیز آپ ﷺ نے غیر اہل کو منصب سونپنے والے شخص کو خائن قرار دیا ہے۔[۶۵] آں حضرت ﷺ نے نیک اور برے مشیر کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:"مَا مِنْ نَبِي وَلَا وَالٍ إِلَّا، وَلَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ، وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا، وَمَنْ وُقِيَ شَرَّهُمَا، فَقَدْ وُقِيَ، وَهُوَ مِنَ الَّتِي تَغْلِبُ عَلَيهِ مِنْهُمَا."[۶۶] (کوئی نبی یا حکم ران ایسا نہیں ہے کہ اس کے دو قسم کے مشیر نہ ہوں؛ ایک گروہ اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور دوسرا گروہ (اس بد نصیبی میں اپنا کردار ادا کرنے میں) کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ جو ان دونوں کے شر سے بچ گیا وہ محفوظ رہا اور جو گروہ اس پر غالب آ گیا اس کا شمار انھی میں ہو گا۔اس طرح اگر حاکم وقت نا اہل کو کوئی عہدہ دے گا یا اپنا مشیر رکھے گا تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔)

۶۴- نجران کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمائش کی کہ ہماری طرف کسی امانت دار آدمی کو بھیج دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لَأَبْعَثَنَّ إِلَيكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ... " میں تمھاری طرف ایک ایسے امانت دار آدمی کو بھیج رہا ہوں کہ جو یقیناً امانت دار ہے۔(**مسند أحمد**، مسند حذيفة بن اليمان، رقم: ۲۳۳۷۷۔)

۶۵- آپ ﷺ کا فرمان ہے: "مَنْ تَوَلَّى مِنْ أُمَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ شَيئًا فَاسْتَعْمَلَ عَلَيهِمْ رَجُلًا وَهُوَ يعْلَمُ أَنَّ فِيهِمْ مَنْ هُوَ وْلَى بِذَلِكَ وَأَعْلَمُ مِنْهُ بِكِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ، فَقَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَجَمِيعَ الْمُؤْمِنِينَ."(جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالاں کہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدے کے لیے اس سے زیادہ قابل (باصلاحیت) اور اہل ہے اس نے اللہ، رسول کریم ﷺ اور تمام مسلمانوں کی خیانت کی۔ الطبرانی، **المعجم الكبير**، باب العين عمرو بن دينار، عن ابن عباس (قاہرہ: دار النشر، مكتبة ابن تيمية، ۱۹۹۴ء)، رقم: ۱۱۲۱۶۔

۶۶- **مسنداحمد**، مسند أبي هريرة، رقم: ۷۸۸۷۔

سرکاری عہدوں پر غیر مسلموں کا تعین

اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے ۔ اس میں چند مخصوص عہدوں کے علاوہ سرکاری وظائف ذمیوں کے سپرد کیے جاسکتے ہیں۔ وظائف کی دو اقسام ہیں:

۱- عقیدے اور عبادات سے تعلق رکھنے والے امور مثلاً سربراہی سلطنت، امیر الجیش یا سپہ سالاری، قضا اور صدقات کی تقسیم وغیرہ ان میں صرف مسلمان کو منصب یا عہدہ دیا جاسکتا ہے۔ (۶۷)

۲- جن کا تعلق دنیاوی امور سے ہے ان میں غیر مسلموں کو ذمے دار مقرر کیا جاسکتا ہے۔ (۶۸)

قرون اولی میں بہت ساری مثالیں ہیں جن میں مسلم حکم رانوں نے غیر مسلموں کو ریاستی امور میں مختلف عہدوں پر فائز کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جو صلح کے ذریعے نئے علاقے اسلامی ریاست کا حصہ بنے وہاں کے انتظامی امور غیر مسلموں کے پاس ہی تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں حمص میں زکوۃ و دیگر واجبات کی وصولی کے لیے ایک عیسائی شخص کو ذمے دار مقرر کیا گیا تھا۔ (۶۹) اسی طرح عہد عباسیہ میں ریاستی امور پر بعض عیسائی متعین کیے گئے۔ نصر بن ہارون (۳۴۹ھ) اور عیسیٰ بن نسطورس (۳۸۰ھ) میں وزیر بنا۔ مشہور انگریز مستشرق واٹ (Watt) نے اعتراف کیا ہے:

> The chiristan were probably better off as Dhimis under Muslim Arab rulers than they had been under the byzantine Greeks. (70)

((مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں) عیسائی، عرب مسلمان حکم رانوں کے اقتدار میں بہ طور ذمی اپنے آپ کو یونانی بازنطینی حکم رانوں کی رعیت میں رہنے سے زیادہ بہتر سمجھتے تھے)۔

الغرض اسلام کا تصورِ اہلیت ایسا قابل عمل نظام ہے جس میں شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ اور اجتماع کے برتر مفاد پورے ہونے کے امکان زیادہ قوی ہوتے ہیں اور یہ جمہوریت کے تصورِ اہلیت کے عین برعکس ہے جو صرف عوام کے ذاتی مفادات کے گرد گھومتا ہے۔ اور اہل دین کو منتخب نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اگر یہ لوگ

۶۷- عبدالکریم الزیدان، **أحکام الذمیین والمستأمنین** (بغداد: مکتبة القدس، مؤسسة الرسالة، ۱۹۸۲ء)، ۷۸۔

۶۸- الماوردی، **الأحکام السلطانیة**، ۲۴۔

۶۹- احمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب، **تاریخ الیعقوبي** (تہران: منشورات المکتبة الحیدریة، ۱۹۹۷ء)، ۳: ۲۳۴۔

70– M. Watt, *Islamic Political Thought* (London: Edinburgh University Press, 1998), 155.

اقتدار میں آ گئے تو سہولتوں اور منفعتوں کے بجائے ہمیں شریعت کی پابندی کرائیں گے۔ اس لیے وہ اپنا ووٹ دینے کے لیے مفاد پرست ٹولے کو ترجیح دیتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ملازم کو جس کام یا منصب کے لیے رکھا جائے، اس میں درج بالا شرائط پائی جائیں۔ محض دوستی و تعلق یا قرابت داری کی بنیاد پر منصب دینے والے شخص کے لیے وعید ہے۔[۷۱] نیز رسول اللہ ﷺ نے نااہل عہدہ دار کو قیامت کی نشانی قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔[۷۲] ریاست کے ملازمین میں قابلیت، ذہانت، امانت داری اور وفاداری، مضبوط کردار اور اعلیٰ اخلاقی کردار کے اوصاف ہونے چاہییں جن کی بنیاد پر ان کی تعیناتی کی جائے۔

مبحث ثانی: ریاستی ملازمین کی تربیت اور کارگردگی کا جائزہ

اسلامی ریاست کے سربراہ کا یہ اولین فریضہ ہے کہ وہ اپنے ملازمین کے لیے تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے؛ کیوں کہ تعلیم وتربیت نہ صرف انسان کو مہذب بناتی اور اس کے اخلاق و کردار کو سنوارتی ہے بلکہ زندگی کے دشوار گزار راستوں پر چلنے کے لیے اس کے اندر نظم و ضبط بھی پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دین کا علم اور سمجھ پیدا کرنے کے لیے بڑی جدوجہد

۷۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ وَلِی مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيئًا فَأَمَّرَ عَلَيهِمْ أَحَدًا مُحَابَاةً فَعَلَيهِ لَعْنَةُ اللهِ، لَا يقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلا عَدْلًا حَتَّى يدْخِلَهُ جَهَنَّمَ“ (جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی بنیاد پر (بغیر اہلیت وصلاحیت کے) دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل نہ ہو جائے۔) دوسری روایت میں مروی ہے: ”من استعمل رجلا لمودة أو لقرابة لا يستعمله إلا لذلك فقد خان الله ورسوله والمؤمنين.“ **مسند أحمد**، مسند أبي بكر، رقم: ۲، آپ ﷺ نے فرمایا: ”من استعمل فاجرا وهو يعلم أنه فاجر فهو مثله“ (جس شخص نے کوئی عہدہ کسی فاجر شخص کے سپرد کیا حالاں کہ اس کے علم میں تھا کہ وہ فاجر ہے تو وہ شخص اس کے مثل فاجر ہے۔) ابن کثیر، **مسند الفاروق** (منصوره: دار الوفاء، ۱۹۹۱ء)، ۲: ۵۳۷۔

۷۲۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِذَا ضُيعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ» قَالَ: كَيفَ إِضَاعَتُهَا يا رَسُولَ اللهِ قَالَ: «إِذَا أُسْنِدَ الأَمْرُ إِلَى غَيرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ“ (جب امانتیں ضائع کی جائیں تو قیامت کا انتظار کرو، سائل نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ اس کا ضیاع کیسے ہو گا؟ فرمایا: جب معاملات نااہلوں کے سپرد ہوں تو قیامت کا انتظار کرو۔) **مسند أحمد**، مسند أبي هريرة، رقم: ۸۷۲۹۔

فرمائی۔ اسی دینی تربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں نظم و ضبط کا شان دار نمونہ تھیں۔ اسلام کا ریاستی ملازمین کی تعلیم وتربیت کا نقطۂ نظر صرف یہ ہے کہ وہ مخلوق اور رعایا کے خادم اور مددگار ہیں۔ ریاست کے ملازمین کو چاہیے کہ وہ انبیاے کرام علیہم السلام کی زندگیوں کا اتباع کریں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاے کرام علیہم السلام کی زندگیوں کو ہمارے لیے مشعل راہ قرار دیا ہے۔[۷۳] نیک وصالح افراد کی صحبت اور انھیں دوست بنانے سے بہت زیادہ اخلاقی مدد ملتی ہے؛ کیوں کہ پاکباز ہستیاں لوگوں کی اخلاقی تربیت کرتی ہیں اور انھیں دین کی راہ میں آنے والی مشکلات پر صبر و استقامت کی تلقین کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "إن من الناس مفاتيح للخير مغاليق للشر، وإن من الناس مفاتيح للشر مغاليق للخير."[۷۴] (لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو بھلائی کے راستہ پر گام زن کرنے کی چابیاں اور بدی کا راستہ بند کرنے والے ہیں، اور لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو برائی کے راستہ پر گام زن کرنے کی چابیاں ہیں اور وہ نیکی کے راستہ کو بند کرنے والے ہیں۔)

انسان جس قسم کی تعلیم حاصل کرتا ہے اس کے سیرت و کردار پر اسی قسم کے نقوش پختہ ہو جاتے ہیں اور پھر انھی نقوش کے مطابق وہ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ اگر ملازمین ان بابرکت شخصیات کے اوصاف کریمہ ایمان وتوکل، خلوص وشجاعت، ترتیب وتنظیم اور زہد وتقویٰ کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنالیں تو یقیناً وہ اپنی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔

عملے کی تربیت اور ترقی سے نمٹنے اور ان پر عمل درآمد کا کام ہیومن ریسورس مینجمنٹ ڈیپارٹمنٹ (ایچ آر ایم ڈی) کے سپرد ہوتا ہے جو کسی بھی تنظیم اور کارپوریٹ فرموں میں قائم کیا گیا ہوتا ہے۔ کسی بھی تنظیم میں نئے ملازمین کو ایچ آر ایم ڈی کو فرائض اور ذمے داریاں ادا کرنے کی تربیت دینی چاہیے۔ نیز ملازمین کی اہلیت اور صلاحیتوں کو بہتر بنانے اور ملازمین کو ترقی دینے کے لیے ان کی تربیت کرنی چاہیے۔ ملازمین کی تربیت اور نشوونما کا عمل عہد رسالت سے تھا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جج کی حیثیت سے یمن بھیجا۔ تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں جب کہ میں کم عمر ہوں اور فیصلہ

۷۳- ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (یہ لوگ وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی، لہٰذا (اے پیغمبر!) تم بھی انھی کے راستے پر چلو۔) القرآن، ٦: ٩٠۔

۷۴- محمد بن يزيد ابن ماجہ، **سنن ابن ماجة**، أبواب السنة، باب من كان مفتاحا للخير (رياض: دار إحياء الكتب العربية، ١٩٩٩ء)، رقم: ٢٣٧۔

کرنے کا علم بھی مجھے نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إنَّ الله سيهْدي قلبَكَ ، ويثبِّتُ لسانَكَ ، فإذا جلَسَ بينَ يديكَ الخصمانِ ، فلا تَقضينَّ حتَّى تسمَعَ منَ الآخَرِ ، كما سمِعتَ منَ الأوَّلِ ، فإنَّهُ أحرى أن يتبينَ لَكَ القضاءُ ، قالَ: فما زِلتُ قاضيًا ، أو ما شككتُ في قضاءٍ بعدُ.(۷۵)

(عن قریب اللہ تعالیٰ تمھارے دل کی رہ نمائی کرے گا اور تمھاری زبان کو ثابت رکھے گا، جب تم فیصلہ کرنے بیٹھو اور تمھارے سامنے دونوں فریق موجود ہوں تو جب تک تم دوسرے کا بیان اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے کا سنا ہے فیصلہ نہ کرو؛ کیوں کہ اس سے معاملے کی حقیقت واشگاف ہو کر سامنے آجائے گی" وہ کہتے ہیں: تو میں برابر فیصلہ دیتا رہا، کہا: پھر مجھے اس کے بعد کسی فیصلے میں شک نہیں ہوا۔)

اسی طرح جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا، تو آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مختلف طریقوں سے تبلیغ کرنے کی تعلیم دی۔(۷۶)

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منظم طریقہ استعمال کیا ہے تاکہ وہ اس کام کی تیاری اور تربیت کر لیں جس کی ذمے داری بعد میں ان کے کندھوں پر رکھی جائے گی۔ اسلام میں انفرادی تربیت اور ترقی کے طریق کار کا ایک اور ذریعہ جو انھیں تنظیم کے لیے نمائندہ، ایجنٹ یا وفد کی حیثیت سے تیار کر سکتا ہے، ان کی مہارتوں کے پیش نظر ان کی تربیت ہے؛ چناں چہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم اور مہارت رکھنے کی وجہ سے ان کو تربیت دی۔

ملازمین کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے معاوضے اور تنخواہ کا بندوبست کرنا چاہیے۔ آں حضرت ﷺ کا فرمان ہے: "أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ."(۷۷) (مزدور کو اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو۔) مطلب یہ ہے کہ کام ختم ہوتے ہی اس کی اجرت دے دو، یہ نہیں کہ اجرت دینے میں حیلہ کرو اور کام لے لو۔ نیز آں حضرت ﷺ کا فرمان ہے:"ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ

۷۵- ابوداود، سلیمان بن الاشعث، **سنن أبي داود**، كتاب الأقضية، باب كيف القضاء (ریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء)، رقم: ۳۵۸۳۔

۷۶- البخاری، **صحيح البخاري**، كتاب المغازي باب بعث أبي موسى، ومعاذ إلى اليمن، رقم: ۴۱۰۸۔

۷۷- محمد بن یزید ابن ماجہ، **سنن ابن ماجة**، كتاب الرهون، باب أجر الأجراء (ریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء)، رقم: ۲۴۴۳۔

الْقِيامَةِ، رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يعْطِه أَجْرَهُ."[۷۸] (تین طرح کے لوگ ایسے ہوں گے جن کا قیامت کے دن میں مدعی بنوں گا، ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا اور وہ توڑ دیا، وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور وہ شخص جس نے کوئی مزدور اجرت پر رکھا، اس سے پوری طرح کام لیا، لیکن اس کی مزدوری نہیں دی۔) حقیقت میں مذکورہ بالا فرامین ہر ملازم کے لیے ایک مضبوط محرک ہے کہ وہ اپنے سپرد کردہ فرائض کی انجام دہی میں کوئی سستی نہ دکھائے۔ فکر اسلامی کے اصولوں کی روشنی میں ملازمین کی تنخواہ اور معاوضے کے سلسلے میں معاہدے میں درج ذیل شقیں شامل ہونی چاہییں:

۱۔ ملازمین کی اجرت ان کے تجربے، قابلیت اور ان کے کیے ہوئے کام اور کارکردگی کے مطابق ہونی چاہیے۔

۲۔ نیز دونوں فریقوں کے مابین کسی بھی پریشانی سے بچنے کے لیے آجر کی طرف سے تنخواہ کی پیشگی وضاحت کر دی جائے۔ اس سے دونوں کے درمیان اعتماد کی فضا قائم ہو گی۔

۳۔ تنخواہ حاصل کرنے کے لیے، ملازمین کو کسی بھی تعصب، مفاد پرستی سے باز رہنا چاہیے تاکہ وہ ملازمین کو دی جانے والی تنخواہ منصفانہ طریقے پر پہنچا سکیں۔

حکومتی اہل کاروں اور عہدے داروں کے لیے بعض حکومتی سہولتوں کی اجازت دی ہے۔[۷۹] اور جو

۷۸۔ البخاری، **صحیح البخاري**، کتاب البیوع، باب إثم من باع حرا، رقم: ۲۲۲۷۔

۷۹۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "مَنْ وَلِی لَنَا عَمَلاً فَلَمْ یكُنْ لَهُ زَوْجَةٌ فَلْیتَزَوَّجْ أَوْ خَادِمًا فَلْیتَّخِذْ خَادِمًا أَوْ مَسْكَنًا فَلْیتَّخِذْ مَسْكَنًا أَوْ دَابَّةً فَلْیتَّخِذْ دَابَّةً فَمَنْ أَصَابَ شَیئًا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ غَالٌّ أَوْ سَارِقٌ" (جو شخص ہماری طرف سے عامل نام زد ہو اور اس کے پاس (متعلقہ شہر میں) کوئی گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا سکتا ہے، بیوی نہ ہو تو شادی کر سکتا ہے، خادم نہ ہو تو رکھ سکتا ہے، سواری نہ ہو تو رکھ سکتا ہے، لیکن اس کے علاوہ جو کچھ لے گا، وہ اللہ کے یہاں خائن اور چور شمار ہو گا۔) **مسند أحمد**، حدیث مستورد بن شداد، رقم: ۱۸۰۱۷۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد: "مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَلْیجِئْ بِقَلِیلِهِ وَكَثِیرِهِ، فَمَا أُوتِی مِنْهُ أَخَذَ، وَمَا نُهِی عَنْهُ انْتَهَى" (جس شخص کو ہم کسی ذمے داری پر فائز کریں وہ تھوڑا اور زیادہ سب ہمارے پاس لے کر آئے، پھر اس میں سے جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے روکا جائے، اس سے رک جائے۔) مسلم بن الحجاج، **صحیح مسلم**، کتاب الإمارة، بَابُ تَحْرِیمِ هَدَایَا الْعُمَّالِ (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، رقم: ۳۰۔

ان سے زائد حکومتی سہولتیں حاصل کرے گا۔ یا حکومتی ذرائع کو اپنی مرضی سے استعمال کرے گا۔ بلکہ سوئی یا اس سے بھی کسی کم چیز کو چھپانے والا شخص خائن ہو گا۔[۸۰] حکومتی اہل کاروں کے تحائف خیانت کے زمرے میں آتے ہیں۔[۸۱] تنخواہ اور وظیفہ سے زائد حاصل کرنے والے عہدے دار کو آں حضرت ﷺ نے خائن قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ"[۸۲] (ہم نے جس کو بھی کسی کام پر مامور کیا تو اس کا وظیفہ اور تنخواہ مقرر کی ہے پھر اس کے بعد جو کچھ وہ اس سے زائد حاصل کرے وہ چوری اور خیانت ہے۔)

فکر اسلامی میں سرکاری عہدے داران و ملازمین ذمے دار و نگران ہیں جن سے سربراہ ریاست باز پرس اور محاسبہ کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ سربراہ ریاست کو ریاستی ملازمین کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے ان کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيتِهِ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيتِهِ."[۸۳] (تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہو گی، امام اپنی رعایا پر نگران اور جواب دہ ہے۔) شریعت اسلامی کے مطابق ریاستی امور کا ذمہ دار بننا افراد کا ریاست پر حق نہیں، بلکہ یہ ایک ذمے داری ہے، جب ریاست کسی فرد کو اس قابل دیکھے گی تو اسے ذمے دار بنائے گی: "وواجب يقوم به إذا عهد به إليه."[۸۴] (جب کسی فرد کو ذمے داری دی جائے تو اس کو نبھانا فرد پر

۸۰۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ، كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ." (تم میں سے جس آدمی کو ہم کسی پر عامل مقرر کریں اور وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی کسی کم چیز کو چھپا لیا تو یہ خیانت ہو گی اور وہ قیامت کے دن اسے لے کر حاضر ہو گا۔) **صحیح مسلم**، رقم: ۳۰۔

۸۱۔ حضرت ابو حمید ساعدی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "هَدَايَا الْأُمَرَاءِ غُلُولٌ" (عمال کے ہدایا اور تحائف خیانت ہیں۔) (البیہقی، **السنن الكبرى**، كتاب آداب القاضي، باب لايقبل منه هدية (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۴۲۴ھ)، رقم: ۲۰۴۷۴۔)

۸۲۔ ابوداود، **سنن أبي داود**، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في أرزاق العمال، رقم: ۲۹۴۳۔

۸۳۔ **صحيح البخاري**، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، رقم: ۸۹۳۔

۸۴۔ زیدان، **أحكام الذميين**، ۷۷۔

واجب ہے۔) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے بنو اسد کے ابن اللتبیہ کو زکوٰۃ وصولی کا عامل بنایا جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا یہ لو مالِ زکوٰۃ اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا: "أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيتِ أَبِيهِ، أَوْ فِي بَيتِ أُمِّهِ، حَتَّى ينْظُرَ أَيهْدَى إِلَيهِ أَمْ لَا؟ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيدِهِ، لَا ينَالُ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْهَا شَيئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يوْمَ الْقِيامَةِ يحْمِلُهُ."[۸۵] (تم میں سے کوئی شخص اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھتا کہ یہ تحفے اس کو مل جائیں۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم میں سے جو بھی (کوئی ناجائز) چیز ہم سے حاصل کرتا ہے وہ گردن پر اٹھا کر قیامت کے دن لائے گا۔) منصب کے حرام ذرائع میں سے طاقت، اثر و رسوخ، رشوت ستانی سے عہدہ حاصل کرنا ہے۔ آں حضرت ﷺ نے خائن عہدے دار کی سزا ان الفاظ میں بیان کی ہے: "مَا مِنْ عَبْدٍ يسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيةً، يمُوتُ يوْمَ يمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيتِهِ، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيهِ الْجَنَّةَ."[۸۶] (جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی عہدہ دیں اور وہ اس حال میں مرجائے کہ وہ ان سے خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔)

حرف آخر

اگر تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ اقوام عالم کی ریاستوں کی کام یابی، نظم و نسق جیسے اصول کی پاس داری کرنے کی بہ دولت میسر ہے۔ گویا وہی قومیں کام یاب ہوتی ہیں جو تمام امور ریاست میں نظم و نسق کو حاکم بناتی ہیں۔ حتی کہ اپنی فکر کو منظم کر کے اس صفت سے آراستہ ہو جاتی ہیں۔ آج اسلامی ریاستوں کی تعمیر و ترقی اس امر میں پوشیدہ ہے کہ تمام امور ریاست میں نظم و نسق ہو۔ اگر وہ نظم و نسق کے ان زریں اصولوں پر کاربند ہوں تو امت مسلمہ میں بڑا انقلاب آسکتا ہے۔

نتائج

- آں حضرت ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں پہلی مرتبہ انسانیت کو عدل و انصاف، مساوات اور مواخات کے زریں اور ابدی اصول فراہم کیے ہیں۔ ضابطہ حیات مکمل طور پر انسانیت کے تحفظ اور حریت کا بین الاقوامی منشور ہے۔

۸۵- **صحيح مسلم**، كتاب الإمارة، باب تحريم هدايا العمال، رقم: ۲٦۔

۸٦- **صحيح مسلم**، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، رقم: ۲۲۷۔

- اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس ہے۔ ریاست نیابتاً اپنے شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہے۔
- اسلامی فلاحی ریاست میں یہ لازم ہے کہ حاکم اسلام کے بنیادی احکامات کا پابند ہو؛ کیوں کہ وہ ریاست کا امین ہوتا ہے۔
- اسلامی ریاست کی دستوری بنیادوں میں خلافت و نیابت کا منہج، تصورِ حاکمیتِ الٰہیہ، اسلامی قانون کا نفاذ، قانون شوریٰ، اسلامی ضابطہ حیات کی تنفیذ قابل ذکر ہیں۔
- اسلامی فلاحی ریاست میں حکومت ہمیشہ اپنے عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ یہ تمام شہریوں کو ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے یکساں مواقع فراہم کرتی ہے۔ یہ ریاست غیر مسلموں سمیت تمام افراد کو بنیادی سہولتیں مہیا کرتی ہے۔
- اسلامی ریاست کی تشکیل اور نظم مملکت میں اصولِ توازن ضروری ہے۔ انسانی معاشرے کو فطرت کے اس اصول کے تحت اجتماعی نظام چلانے کے لیے مختلف اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ جن میں نظام عدل و قضا، نظام معیشت، نظام تعلیم، امور داخلہ، نظام دفاع قابل ذکر ہیں۔
- اسلام کے سیاسی و حکومتی نظم و نسق کے ضمن میں: ریاستی نظم و نسق، دارالاسلام و دارالحرب کی تقسیم، تشکیل ریاست، انتخاب سربراہ مملکت اور اہلیت و شرائط، عہدہ و منصب کے زریں اصول قابل ذکر ہیں۔
- انتخاب کے بنیادی اصولوں میں اصول اصلح (موزوں ترین)، شوریٰ برائے انتخاب اصول قابل ذکر ہیں۔
- عملے کی تربیت اور ترقی سے نمٹنے اور ان پر عمل درآمد کا کام ہیومن ریسورس مینجمنٹ ڈیپارٹمنٹ (ایچ آر ایم ڈی) کے سپرد ہوتا ہے جو کسی بھی تنظیم اور کارپوریٹ فرموں میں قائم کیا گیا ہے۔ کسی بھی تنظیم میں نئے ملازمین کو ایچ آر ایم ڈی، کو فرائض اور ذمے داریاں ادا کرنے کی تربیت دینی چاہیے۔
- ملازمین کی اہلیت اور صلاحیتوں کو بہتر بنانے اور ملازمین کو ترقی دینے کے لیے تربیت کرنی چاہیے۔
- حکومتی اہل کاروں اور عہدے داروں کے لیے بعض حکومتی سہولتوں کی اجازت دی گئی ہے۔

- ہر ملازم کے لیے تنخواہ ایک مضبوط محرک ہے کہ وہ اپنے سپرد کردہ فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کرے۔
- ملازمین کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے معاوضے اور تنخواہ کا بندوبست کرنا چاہیے۔
- اسلامی احکام و قوانین پر طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاست کو شریعت سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔